علمائے مذہب کی مصلحانہ حیثیت

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

دنیا میں اصلاح کے ذمہ دار دو طبقے ہیں اور حقیقۃً ان کے ذریعہ سے دنیا میں اصلاح ہوتی اور ہوسکتی ہے۔ وہ دو طبقے ہیں: ایک وہ طبقہ جس کے پاس مذہب کی طاقت ہو، یہ علمائے مذہب کا طبقہ ہے اور دوسرے وہ جس کے پاس سلطنت کی طاقت ہو یہ سلاطین وملوک ہیں۔

یقیناً اصلاح عالم کی یہ سب سے بڑی دو طاقتیں ہیں۔ اس کے بعد دوسرے جزوی اسباب ہیں جو ایک انسان کی بات کو قابل پذیرائی بناتے ہیں جیسے خوش بیان مقررین، خوش تحریر انشا پرداز، خوش فکر شعرا، وغیرہ لیکن یہ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے اکثر پہلی دو قسم کی طاقتوں کے زیر اثر کام کرتے ہیں اور ان کا اثر بھی جزئی حیثیت رکھتا ہے کلی ونوعی نہیں ہوتا اور نہ زیادہ دیرپا۔

پہلا طبقہ علمائے مذہب کا: اگر حقیقت میں دنیا کو مذہب کی ضرورت ہے تو علمائے مذہب کی بھی ضرورت ہے کیونکہ یہ عالم کے نظام کے خلاف ہے کہ دنیا میں ہر شخص ہر چیز کا ماہر ہوسکے۔ جس طرح ہر چیز کے لئے ایک مخصوص طبقہ ہوتا ہے اور ایک مخصوص جماعت۔ تقسیم عمل کے اصول کے مطابق کوئی ایک طبقہ وکلاء (Lawyers) کا ہوگا، ایک طبقہ اطباء (Doctors) کا اور اسی طرح تمام ضروریات انسانی کے لحاظ سے تجار (Traders) اور معمار (Builders) وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ایک طبقہ علمائے مذہب کا بھی ہوگا۔ اور یہ بھی دنیا کے اصول پر مبنی ہے کوئی نئی چیز نہیں کہ ہر شعبہ میں رجوع ہونا چاہئے اسی طبقہ کی طرف جو اس شعبہ کا ماہر ہو یعنی ہمیں کوئی صندوقچہ بنوانا ہو تو ہم جاتے ہیں نجار (Carpenter) کے پاس۔ ہم کو کسی مقدمہ کی پیروی کرانا ہو تو ہم جاتے ہیں وکیل کے پاس۔ کسی مریض کا علاج کرانا ہو تو جاتے ہیں حکیم، ڈاکٹر کے پاس۔ یونہی زندگی کے ہر شعبہ میں جو اس سے ناواقف ہوگا وہ رجوع کرے گا اس کے واقف کار کی طرف۔ ایک طبیب نے نسخہ لکھا تو آپ یہ نہ پوچھئے گا کہ یہ دوا کیوں دی اور وہ دوا کیوں؟ ایک انجینئر نے نقشہ مرتب کیا تو یہ نہ دریافت کیجئے گا کہ یہ چیز اس طرح کیوں اور وہ اُس طرح کیوں؟ اس لئے کہ یہ تو ایک چیز ہے نظام کے مطابق کہ جب ایک انسان ناواقف ہے اور اپنی ناواقفیت کا احساس بھی رکھتا ہے اور دوسرا واقف ہے تو وہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کردیتا ہے۔ یہ ناواقف اور واقف کار کی تفریق دنیا کے ہر شعبہ میں کارفرما ہے۔

یہ اور بات ہے کہ جو شعبہ بحیثیت اہمیت اور بحیثیت ضرورت بلند ہے، اس کے جاننے والوں کو عزت زیادہ حاصل ہے اور جو شعبہ بلحاظ اہمیت وضرورت آپ کی نظر میں کم ہے، اس کے جاننے والوں کے لئے خصوصیت کم حاصل ہے لیکن بحیثیت واقف وناواقف ہر شعبہ میں دو طبقے قائم رہتے ہیں۔

اگر مذہب کی ضرورت ہے تو ضرور ایک طبقہ ایسا ہوگا جو مذہب کے احکام سے واقف ہو اور باقی لوگ اس سے ناواقف ہوں گے اور اس صورت میں ان ناواقف افراد کو اس واقف کار جماعت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگا۔

بیشک اگر ہر شخص اتنی قابلیت حاصل کرلے کہ وہ مذہب کے احکام کو خود سمجھ سکے تو ہر شخص کو حق ہوگا کہ وہ رائے قائم کرے لیکن جب کہ دنیا کا نظام اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے اور ضرور کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ جو احکام کے سمجھنے سے قاصر ہیں تو ان کو رجوع کرنا بھی علمائے مذہب کی طرف ضروری ہوگا۔

اب اگر فرض کیا جائے کہ کوئی خاص شخص مدعی ہے کہ میں خود احکام شرع کو سمجھ سکتا ہوں اور رائے قائم کرسکتا ہوں تو وہ اپنے اس دعوے کے لحاظ سے میرے موضوع بحث ہی سے خارج ہوگا کیونکہ میں تو ان لوگوں کو کہہ رہا ہوں جو ناواقف ہیں اور خود رائے قائم نہیں کرسکتے انھیں بہر حال ضروری ہے کہ دریافت کریں ان لوگوں سے جو خود سمجھ سکتے ہیں اور رائے قائم کرسکتے ہیں۔ اس پہلی قسم کے لوگوں کا نام ہے مقلدین اور دوسری جماعت کا نام ہے مجتہدین۔

تقلید ہرگز پیری مریدی نہیں ہے۔ نہ وہ حلقۂ بیعت ہے، نہ وہ خط غلامی ہے بلکہ وہ وہی ہے جو دنیا کے ہر شعبہ میں کارفرما ہے اور جس سے نظام زندگی میں گریز وگزیر ہی نہیں۔

یہی جماعت اصلاح خلق کی ذمہ دار ہے۔ اور غیر ممکن ہے کہ علمائے مذہب اپنے حقیقی علوم کے اعتبار سے کبھی فساد پیدا کریں مگر جس طرح مذہب کے بارے میں میں نے کہا تھا کہ ایک ہوتا ہے حقیقی مذہب وہ ہمیشہ اصلاح خلق کا سبب ہوتا ہے اور دوسری نمائشی اور ملمع کار، مذہب کی صورت ہوتی ہے۔ یہ فساد کا ذریعہ ہوتی ہے۔

اسی طرح علمائے مذہب میں جو ہوتے ہیں حامل حقیقت مذہب کے وہ اصلاح ہی کرتے ہیں، فساد کبھی نہیں پیدا کرتے ہیں اور جو اُس نمائشی شکل اور ملمع کار صورت کے حامل ہوتے ہیں وہ بے پناہ فساد کا ذریعہ قرار پاتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ جو سب سے زیادہ قوی ترین ذریعہ اصلاح کا ہے جب فساد کی طاقت اُس ذریعہ کا بھیس بدلے گی یعنی اس پردہ کو اپنے اوپر ڈال لے گی تو وہ قوی ترین ذریعہ فساد کا قرار پا جائے گی۔

مثلاً چاندی اور سونا، چاندی کم قیمت کی چیز اور سونا زیادہ قیمت کی چیز ہے تو اب چاندی کا ملمع ہو تو وہ زیادہ فریب دہ ہوگا یا سونے کا ملمع اگر چڑھا دیا جائے تو وہ زیادہ فریب دہ ہوگا؟

جس چیز کی واقعیت زیادہ پر اہمیت اور بیش قیمت ہوگی اسی کی نقلی صورت زیادہ گمراہ کن اور مضرت رساں ہوگی اور جس چیز کی اصل کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اس کی جھوٹی شکل کوئی خاص ضرر رساں نہ ہوگی۔

یہ درحقیقت مذہب کی انتہائی مصلحانہ طاقت ہے کہ اس کا نام انتہائی ذریعہ فساد کا بن سکتا ہے اور یہ علمائے مذہب کی انتہائی مصلحانہ عظمت ہے کہ ان کی نقل اختیار کرنے والے اصحاب زیادہ ذریعہ فساد بن سکتے ہیں۔

اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ ''اِذَا فَسَدَ الْعَالِمُ فَسَدَ الْعَالَمُ'' حقیقت نہ ہو مجاز ہو، آب نہ ہو سراب ہو، غیر عالم عالم بن جائے۔ اس کے اخلاق فاسد وخراب ہوں تو عالم میں فساد پیدا ہوجائے گا کیونکہ جتنے دوسرے فسادات ہوتے ہیں ان کا تعلق زندگی کے کسی ایک شعبہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً معاشرت کے ساتھ، سیاست کے ساتھ، اخلاق کے ساتھ لیکن مذہب کی وہ طاقت ہے جو دنیا کے تمام شعبوں میں کارفرما ہوتی ہے، اس لئے اگر ایک انسان مذہبی فساد میں مبتلا ہوجائے تو نہ صرف اس کی شکل وشمائل بدلے گی، نہ صرف اعضاء وجوارح میں تبدیلی ہوگی، نہ صرف لباس وضع وقطع میں تغیر ہوگا بلکہ اس کی اصلی روح تبدیل ہوجائے گی اور پھر تمام کلبد بشری (Human Skeleton) اپنی صورت پر قائم نہیں رہے گا۔

بادشاہ کے احکام چونکہ مادی طاقت پر مبنی ہیں اس لئے ان کا اثر اسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ سلطنت قائم ہے۔ لیکن جب وہ بادشاہ تخت سلطنت سے اترا یا مرگیا بس اب دنیا بدل گئی۔ اب جو نیا بادشاہ ہوگا اس کے احکام پر دنیا عمل پیرا ہوگی لیکن روحانی تاثرات اور مذہبی خیالات جو غلط رہنمائی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ان سے دماغ وعقل میں تبدیلی ہوجاتی ہے، اس لئے وہ اتنے دیرپا ہوتے ہیں کہ چاہے وہ رہنما دنیا سے چلا جائے لیکن دنیا اس کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن رہتی ہے۔ اس لئے یہ چیز سب سے زیادہ خطرناک اور سب سے زیادہ موجب گمراہی خلق ہے۔

وہ یہود کے عالم ہی تھے جنھوں نے فتویٰ دیا کہ مسیح کو سولی پر چڑھادیا جائے اور اسی طرح ہر زمانہ میں جو فسادات برپا ہوئے، ان میں ملمع کار علماء فسادات کے ذمہ دار قرار پاتے رہے۔

اسی لئے وہ افراد جو حقیقی مذہب کے علمبردار تھے، انھوں نے ہمیشہ دنیا کو گندم نما جوفروش اشخاص کے فریب سے خبردار کیا اور بتلایا کہ تم ان سے دھوکا نہ کھانا اور سمجھنے کی کوشش کرتے رہنا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا، کون کھرا ہے اور کون کھوٹا، کون حقیقت کا سالک ہے اور کون مجاز کو حقیقت کے لباس میں پیش کرنے والا ہے۔

امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ نے اس چیز کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور تصویر کھینچ کر دکھلا دیا ہے کہ کبھی کسی سے مرعوب نہ ہونا بلکہ غور کرنا کہ حقیقت کیا ہے فرماتے ہیں:

اِنَّ اَبْغَضَ الْخَلَائِقِ اِلَی اللّٰہِ رَجُلَانِ رَجُلٌ وَکَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی نَفْسِہٖ فَھُوَ جَائِرٌ عَنْ قَصْدِ السَّبِیْلِ مَشْعُوْفٌ بِکَلَامِ بِدْعَۃٍ وَدُعَآءِ ضَلَالَۃٍ فَھُوَ فِتْنَۃٌ لِمَنِ افْتَتَنَ بِہٖ ضَالٌّ عَنْ ھَدْیِ مَنْ کَانَ قَبْلَہٗ مُضِلٌّ لِمَنِ اقْتَدٰی بِہٖ فِی حَیٰوتِہٖ وَبَعْدِ وَفَاتِہٖ حَمَّالُ خَطَایَا غَیْرِہٖ رَھْنٌ بِخَطِیْئَتِہٖ۔

(تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک مبغوض اور برے دو قسم کے شخص ہیں: ایک وہ جس سے خدا نے توفیق کو سلب کرلیا ہے اور اس کے گناہ اتنے بڑھے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ راہ راست سے منحرف ہے، بدعت کی باتوں اور گمراہی کی دعوت پر جان دیئے ہوئے ہے۔ وہ ایک بڑی آزمائش ہے

ان لوگوں کے لئے جو اس کے پالے پڑیں۔ وہ بھٹکا ہوا ہے طریقۂ کار سے ان لوگوں کے جو اس کے پہلے تھے اور گمراہ کرنے والا ہے ان لوگوں کا جو اس کی پیروی کریں اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد، وہ دوسرے کے گناہوں کا برداشت کرنے والا ہے اور خود اپنے گناہوں میں گرھویں (رہن/Mortgages) ہے۔)

وَرَجُلٌ قَمَشَ جَهْلاً مُوْضِعٌ فِيْ جُهَّالِ الْأُمَّةِ عَانٍ فِيْ اَغْبَاشِ الْفِتْنَةِ۔ عَمٍ نَمَا فِيْ عَقْدِ الْهُدْنَةِ قَدْ سَمَّاهُ اَشْبَاهُ النَّاسِ عَالِمًا وَ لَيْسَ بِهٖ۔

(دوسرا انسان وہ ہے جس نے جہالت کی باتوں کا ایک ذخیرہ جمع کیا۔ وہ جاہلوں کے مجمع میں بیٹھ کر بڑی تیزیاں دکھلاتا ہے، فتنۂ وفساد کی تاریکیوں میں خوب دوڑتا ہے اور صلح ورواداری میں جو برکات ہیں ان سے اندھا بنا ہوا ہے۔ انسان نما جانوروں یعنی نام نہاد انسانوں نے اس کا نام عالم رکھ لیا ہے حالانکہ وہ عالم نہیں ہے)

بَكَّرَ فَا سْتَكْثَرَ مَنْ جَمَعَ مَا قَلَّ مِنْهُ خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ۔

(اٹھا وہ اور جمع کیا اس نے ایسے معلومات کے ذخیرہ کو کہ اگر وہ ذخیرہ کم ہوتا تو اس کثرت سے بہتر تھا۔) کیونکہ وہ باتیں وہ ہیں جو خلق خدا کے حقیقی علوم ومعارف کو مردہ کرتی ہیں اور ان کے لئے عقلی حیثیت سے تباہ کن ہیں۔

حَتّٰى اِذَا ارْتَوٰى مِنْ اٰجِنٍ وَ اكْتَنَزَ مِنْ غَيْرِ طَائِلٍ جَلَسَ بَيْنَ النَّاسِ قَاضِيًا ضَامِنًا لِتَخْلِيْصِ مَا الْتَبَسَ عَلٰى غَيْرِهٖ۔

(یہاں تک کہ جب وہ اس بدبودار پانی سے سیراب ہو چکا یعنی بخیال خود فارغ التحصیل ہوا اور وہ بے سود خزانہ جمع کر چکا تو بیٹھ گیا لوگوں کے درمیان قاضی بن کر ان کے مسئلوں کے حل کی ضمانت کر کے جو دوسروں پر مشتبہ ہو گئے ہیں۔)

فَاِنْ نَزَلَتْ بِهٖ اِحْدَى الْمُبْهَمَاتِ هَيَّأَ لَهَا حَشْوًا ارثا مِنْ رَأْيِهٖ ثُمَّ قَطَعَ بِهٖ فَهُوَ مِنْ لَبْسِ الشُّبُهَاتِ فِيْ مِثْلِ نَسْجِ الْعَنْكَبُوْتِ۔

(اگر اس کے سامنے کوئی مشکل مسئلہ وارد ہو جاتا ہے تو اس کے لئے سوچ ساچ کر ایک بھرتی کی فرسودہ رائے اپنی مہیا کرتا ہے، پھر اسی کے مطابق یقین کر لیتا ہے یعنی وہ شبہات اور اوہام کو خود ہی اپنے گرد لاتا ہے اور خود پھنس جاتا ہے جیسے مکڑی خود ہی اپنے گرد جالا لگاتی ہے اور خود ہی گرفتار ہو جاتی ہے۔)

لَا يَدْرِيْ اَصَابَ اَمْ اَخْطَأَ فَاِنْ اَصَابَ خَافَ اَنْ يَكُوْنَ قَدْ اَخْطَأَ وَاِنْ اَخْطَأَ رَجَا اَنْ يَكُوْنَ قَدْ اَصَابَ۔

(اسے نہیں خبر کہ جو میں کہہ رہا ہوں ٹھیک ہے یا غلط۔ اگر ٹھیک بھی ہے تو اسے اندیشہ لگا ہوا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور غلط بھی ہے تو اسے امید بندھی ہے کہ شاید صحیح ہو۔)

جَاهِلٌ خَبَّاطُ جِهَالَاتٍ عَاشٍ رَكَّابُ عُشَوَاتٍ۔

(وہ جاہل ہے اور جہالت کی تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مارنے والا ہے، اندھا ہے اور اندھے پن کی باتوں کا

مرتکب ہے۔)

لَمْ یَعَضَّ عَلَی الْعِلْمِ بِضِرْسٍ قَاطِعٍ۔

(اس نے علم کو مضبوطی اور استحکام کے ساتھ حاصل نہیں کیا اور نہ اس میں نقد وتبصرہ اور جانچ پڑتال سے کام لیا۔)

یَذْرِی الرِّوَایَاتِ اِذْرَآءَ الرِّیْحِ الْھَشِیْمَ۔

(جاہلوں کے مجمع میں دھوکا دینے کے لئے حدیثیں تیزی کے ساتھ بیان کرتا چلا جاتا ہے اس کو اس سے مطلب نہیں کہ ان احادیث میں کوئی تناسب ہو اور کوئی ترتیب بلکہ وہ روایتوں کو اس طرح پھیلاتا رہتا ہے جس طرح ہوا خشک گھانس کو۔)

لَا مَلِیْءٌ وَاللّٰہِ بِاِصْدَارِ مَا وَرَدَ عَلَیْہِ وَلَا ھُوَ اَھْلٌ لِمَا فَوَّضَ اِلَیْہِ۔

(نہ وہ ان مشکلوں کو حل کرنے کی قدرت رکھتا ہے جو مختلف مسائل میں اس کے سامنے پیش ہوتی رہتی ہیں اور نہ وہ اہل ہے اس منصب کا جو اس کے متعلق کیا گیا ہے۔)

لَا یَحْسَبُ الْعِلْمَ فِیْ شَیْءٍ مِمَّا اَنْکَرَہُ وَلَا یَرَیٰ اَنَّ مَنْ وَرَآءَ مَا بَلَغَ مَذْھَبًا لِغَیْرِہٖ۔

(وہ اتنا تنگ نظر ہے کہ جس شے سے وہ اجنبی ہے اس کے لئے علم کے وجود کا خیال ہی ذہن میں نہیں لاتا یعنی یہ سوچتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا اس سے واقف ہوگا اور وہ نہیں سمجھتا کہ جہاں تک وہ پہنچا ہے اس کے آگے دوسرے شخص کے لئے راہ موجود ہے۔)

وَاِنْ اَظْلَمَ اَمْرٌ اکْتَتَمَ بِہٖ لِمَا یَعْلَمُ مِنْ جَھْلِ نَفْسِہٖ۔

(اگر کوئی مسئلہ اتنا گنجلک ہوا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو وہ سامنے ہی سے غائب ہوجاتا ہے چونکہ جانتا ہے کہ میرا مَبلغ علم اس کے حل سے قاصر ہے۔)

تصرخ من جور قضائه الدّمآء وتعج منه المواريث۔

(ناحق خون اس کی غلط فیصلوں کے فریادی ہیں اور میراثیں جو غیر مستحق لوگوں کو پہنچ گئی ہیں وہ اس کے ہاتھوں چیخ رہی ہیں۔)

اِلَی اللّٰہِ اَشْکُوْا مِنْ مَعْشَرٍ یَعِیْشُوْنَ جُھَّالاً وَیَمُوْتُوْنَ ضُلَّالًا۔

(خدا ہی سے شکوہ کرتا ہوں میں اس جماعت کا جو جہالت کی حالت میں زندگی گزارتی ہے اور گمراہی کے عالم میں دنیا کو خیرباد کہہ دیتی ہے۔)

لَیْسَ فِیْھِمْ سلعة ابور مِنَ الْکِتَابِ اِذَا تَلَیٰ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ وَلَا سلعة انفق بيعا ولا اغلىٰ ثمنا من الكتاب اذا حرّف عن مواضعه۔

(ان کے حلقہ میں قرآن سے بڑھ کر کوئی بے قیمت چیز نہیں ہے اس وقت جب اُسے صحیح طور پر بامحل پیش کیا جائے اور اسی قرآن سے بڑھ کر مرغوب اور قیمتی کوئی چیز نہیں ہے جب کہ اس کی آیتوں کو بیجا صرف کیا جائے یعنی ان کے مطلب کے موافق اس کی تاویلیں کردی جائیں۔)

ایک دوسرے مقام پر حضرت نے ان اشخاص کی تفصیل کی ہے جن کے دلوں میں کم وبیش فساد پیدا کرنے

کے جذبات موجود ہوتے ہیں لیکن بعض کو مواقع حاصل ہوتے ہیں اور بعض کو نہیں حاصل ہوتے۔ فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ عَلیٰ اَرْبَعَةِ اَصْنَافٍ مِنْهُمْ مَنْ لَا یَمْنَعُهُمْ الفساد الّا مهانة نفسه وكلالة حده وتضيض وفره۔

(دنیا میں لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کو فساد سے کوئی مانع نہیں ہے سوا اس کے کہ ان کا نفس حقیر اور باڑھ کند اور مال کم ہے یعنی نہ عزت و وجاہت ہی حاصل ہے کہ لوگ اُن کی طرف متوجہ ہوں اور نہ کوئی جوہر ذاتی اور کمال وصفی ہی موجود ہے کہ اس جوہر سے دنیا کو گرویدہ بنائیں اور نہ مال و دولت ہی ہے کہ اس ذریعہ سے لوگوں کو اپنے راستے پر لائیں۔)

ومنهم المصلت لسيفه والمعلن بشره والمجلب بخيله ورجله قد اشرط نفسه واوبق دينه لحطام ينتهزه او مقلب يقوده او منبر يفرعه وليئس المتجر ان ترى الدنيا لنفسك ثمنا ومما لك عندالله عوضا۔

(اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کے پاس سامان موجود ہے: ہاتھ میں کھنچی ہوئی تلوار ہے، شرارت کا پورا سامان ہے اور سوار و پیادہ فوج کی قیادت ہے۔ اس نے اپنے نفس کو تلا ہوا رکھا ہے مفسدہ انگیزی پر اور اپنے دین و ایمان کو بالکل ہلاک کر دیا تھوڑے سے مال دنیا کے لئے جسے موقع پا کر اڑا لے یا کسی فوج کا سردار بن جائے یا منبر پر بلند ہونا نصیب ہو جائے یقینا کتنی بری تجارت ہے یہ کہ تم دنیا کو اپنے نفس کی قیمت سمجھ لو اور ثواب خداوندی کا عوض قرار دے لو۔)

ومنهم من يطلب الدنيا بعمل الاٰخرة ولا يطلب الاٰخرة بعمل الدنيا قد طاسن من شخصه وقارب من خطوه وشمر من ثوبه وزخرف من نفسه للامانة واتخذ ستر الله ذريعة الى المعصية۔

(اور کچھ لوگ وہ ہیں جو دنیا حاصل کرتے ہیں آخرت کے اعمال سے یعنی نماز روزہ، حج و زیارت اور دیگر عبادات میں جو خالص مذہبی کام ہیں، دنیا طلبی کو اپنا مقصد قرار دے لیتے ہیں اور یہ نہیں کرتے کہ دنیا کے کاموں میں آخرت کو پیش نگاہ رکھیں انھوں نے اپنی صورت کو سکون و وقار کا مجسمہ بنا لیا ہے اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہیں اور دامنوں کو گردانے ہوئے ہیں، اپنے نفس کو بناوٹ کے ساتھ آراستہ کر کے پیش کرتے ہیں کہ لوگ ان پر اعتبار کرنے لگیں اور ان کی امانتداری کا یقین کر لیں اور وہ ستار العیوب خدا کے ڈالے ہوئے پردہ کو ذریعہ قرار دیتے ہیں اسی کی نافرمانی کا۔)

ومنهم من ابعده عن طلب الملك ضؤلة نفسه وانقطاع سببه فقصرته الحال على حاله فتحلى باسم القناعة وتزين بلباس اهل الزهادة وليس من ذلك في مراح ولا معده۔

(اور بعض لوگ ایسے ہیں جو دنیا طلب اور جاہ پرست ہیں اور سلطنت و جہانبانی کا انتہائی شوق رکھتے ہیں مگر بے دست و پائی اور بے سر و سامانی اس مقصد میں ان کی سد راہ ہے اور ان کو ان کی موجودہ حالت کا پابند بنائے ہوئے

ہے اس لئے وہ قناعت کے ساتھ نامزد ہوگئے ہیں اور زاہدوں کے لباس سے آراستہ ہوگئے ہیں یعنی اس کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ہم کو دنیا کی ضرورت ہی نہیں اور دنیا ہماری نگاہوں میں حقیر ہے حالانکہ ان کو قناعت وزہد سے کوئی سروکار نہیں ہے۔)

وبقی رجال غضّ ابصارھم ذکر المرجع واراق وصوعھم خوف المحشر فھم بین شرید نادّ وخائف مقموع وساکت مکعوم وداع مخلص وثکلان موجع۔

(اس کے بعد تھوڑے لوگ رہ جاتے ہیں جنھیں آخرت کی یاد دنیاوی اغراض سے کنارہ کش بنائے ہوئے ہے اور جنھیں وہاں کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے ان کو ابنائے زمانہ کے ہاتھوں مصیبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ کسی کو ترک وطن کرنا پڑتا ہے، کسی کو جان کا خطرہ رہتا ہے، کسی کی زباں بندی ہوتی ہے، کوئی خلوص کے ساتھ صحیح راستے کی طرف دعوت دیتا ہے اور کسی کو تکالیف وآلام میں زندگی گزارنا پڑتی ہے۔)

بیشک یہ مخلص جماعت کم ہوتی ہے، اس کی آواز سنی نہیں جاتی۔ اسے شوروشغب کی عادت نہیں ہوتی۔ اسے عوام کی جذب کرنے والی ترکیبیں نہیں آتیں۔ وہ اکثر گوشہ گیر ہوتی ہے اور عزلت پسندی اس کا شعار ہوتی ہے۔ لیکن افراد کا پرکھنا، ان کے اعمال ومقاصد کا جائزہ لینا جمہور کا فرض ہے۔ یعنی اسے سمجھنا چاہیئے کہ کون مخلص ہے، کس کی آواز پر لبیک کہی جائے اور کس کی پیروی کی جائے۔ دو پکارنے والوں میں کون قابل اتباع ہے اور کون اس قابل نہیں ہے۔

بے شک علمائے مذہب مستحق اتباع ہیں لیکن آپ فقہ کی کتابیں دیکھ لیجئے ان میں یہ نہیں لکھا ہے کہ جو شخص بھی عالم ہونے کا دعویٰ کرے اس کی تقلید جائز ہے بلکہ شرائط قرار دیئے گئے ہیں جن میں سب سے بڑی چیز عدالت ہے اور اجتہاد۔ ان دونوں کی حقیقی روح اور ان کا اصلی نتیجہ ہے علم اور عمل۔

علمائے مذہب نے کبھی یہ تعلیم نہیں دی کہ آنکھیں بند کر کے، قوت نقد وتبصرہ کو معطل کر کے ہر ایک کی تقلید کرلو۔ بلکہ اس کے لئے شرط قرار دی ہے کہ اطمینان ہو اور اطمینان ایک شئے ہے جو ضمیر سے متعلق ہے۔ پس جس شخص کے علم وعمل کے لحاظ سے آپ کا ضمیر گواہی دے کہ یہ قابل اعتماد ہے اس کی جانب رجوع کیجئے۔

یہ چیز وہ ہے جو ہر شعبۂ زندگی کو حاوی ہے۔ کسی طبیب کے متعلق آپ کو معلوم ہوگیا کہ یہ فن طب سے واقف ضرور ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ ہمارا بدخواہ نہیں ہے اور جان بوجھ کر ہم کو غلط نسخہ استعمال نہیں کرائے گا۔ اس کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ آپ اپنے درد کا درماں اس سے طلب نہ کریں لیکن اگر آپ کو ایک طبیب پر اعتماد نہ ہو تو ہرگز اس کا علاج نہ کیجئے۔ اب خواہ یہ بے اعتمادی اس کے مہارت فن اور واقفیت کار کے متعلق ہو اور خواہ اس کی نیک نیتی اور ہمدردی کے متعلق۔

اسی طرح مسائل مذہبی میں ایک شخص کے علم کو سمجھ لیجئے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ جہالت ولاعلمی کی وجہ سے ہم کو گمراہی میں مبتلا نہ کرے گا اور عمل کو پرکھ لیجئے کہ یہ جان

بوجھ کر ہم کو گمراہ نہ کرے گا یعنی یہ سمجھنے کے باوجود کہ خلاف شرع ہے، ہم کو صرف خودغرضی اور بدنیتی کی بنا پر غلط تعلیم نہ دے گا۔ جب یہ دونوں باتیں پورے طریقہ پر پایہ ثبوت کو پہنچ جائیں تو اب کوئی وجہ نہیں کہ آپ بات بات میں اس کی گرفت کیجئے۔ اس کو اعتراضات کا آماجگاہ بنائیے اور نکتہ چینیوں کا مرکز قرار دیجئے۔

بیشک شروع میں بڑی چھان بین کیجئے۔ سمجھ لیجئے کہ کون ہمارے لئے مصلح ہے اور کون مفسد۔ اندھی تقلید نہ کیجئے یعنی کسی انسان کو بے سمجھے بوجھے کہ اس کے خصوصیات کیا ہیں وہ ہمارے لئے مفید ہے یا مضر، اپنا پیشوا نہ بنالیجئے۔

ہوا کے رخ پر اڑنا، سیلاب کے بہاؤ میں بہہ جانا، یہ اندھی تقلید ہے۔ اس کو اسلام نے روکا ہے۔ تقلید کرو تو یہ سمجھ کر کہ جس پر ہم اپنے عمل کی ذمہ داری عائد کر رہے ہیں، یہ درحقیقت اس قابل ہے کہ ان ذمہ داریوں کو پورا کر سکے۔

طبرسی کی روایت میں ہے اس آیت کی تفسیر میں کہ وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ۔ جس میں یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے اس بات پر کہ وہ بے سمجھے بوجھے دوسروں کے کہنے پر چلتے ہیں کسی نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ جب یہود ونصاریٰ کو ناواقفیت کی وجہ سے اپنی کتاب کے علم کا ذریعہ ہی صرف یہ ہے کہ وہ اپنے علماء سے دریافت کریں تو پھر خدا نے ان کی مذمت کس لئے کی ہے؟ کیا عوام یہود اس بارے میں بالکل ہمارے عوام کے مثل نہیں ہیں کہ یہ بھی علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پھر اگر ان کے لئے ان علماء کی پیروی درست نہ تھی تو ان کے لئے بھی ان علماء کی پیروی صحیح نہ ہوگی۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ ایک حیثیت سے تو یہود کے عوام اور ہمارے عوام برابر ہیں لیکن ایک حیثیت سے فرق ہے۔ سائل نے فرق کی وجہ دریافت کی تو حضرت نے فرمایا کہ یہود کے عوام اپنے علماء کی نسبت یہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں، مال حرام کھاتے اور رشوت لیتے اور احکام خدا کو سفارشوں کی وجہ سے بدلتے ہیں، بیجا جانبداریوں سے کام لے کر حقداروں کے حقوق کو تلف کرتے اور غیر مستحق لوگوں کو ناحق دوسروں کے اموال کا مالک بنادیتے ہیں۔

اگر ہمارے عوام بھی اپنے علماء کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ وہ فسق وفجور میں مبتلا ہیں، جانبداری اور خودغرضی سے کام لیتے ہیں اور دنیا کے اموال پر اس طرح آپس میں لڑتے ہیں جیسے کتے ہڈیوں پر اور یہ کہ وہ جس کے خلاف ہوتے ہیں وہ کتنا ہی حقدار کیوں نہ ہو مگر اس کے حقوق کو ضائع کرتے ہیں اور جس کے طرفدار ہوتے ہیں وہ کتنا ہی تحقیر کا مستحق کیوں نہ ہو مگر اس کے ساتھ حسن سلوک سے کام لیتے ہیں تو جو شخص ہمارے عوام میں سے ایسے فقہا کی تقلید کرے وہ انہی یہود ونصاریٰ کے مثل ہے جن کی خداوندعالم نے مذمت کی ہے۔ لیکن جو شخص فقہاء میں سے اپنے نفس کی حفاظت کرنے والا ہو، اپنے دین کی نگہداری کرنے والا ہو، اپنے خواہش نفس کی مخالفت کرتا ہو اور اپنے خدا کے حکم کا مطیع ہو تو عوام کو درست ہے کہ ایسے شخص کی تقلید کریں اور ایسے لوگ فقہائے شیعہ میں سے بعض افراد ہوتے ہیں، سب نہیں ہوتے۔

یاد رکھیے یہ مذہب وہ نہیں جس نے آنکھوں پر پردہ ڈالا ہو۔ جس نے قوت غور وفکر کو سلب کیا ہو۔ جس نے دماغ اور ذہن کو معطل کیا ہو بلکہ اس نے قیود بیان کئے ہیں، شرائط عائد کئے ہیں نقد وتبصرہ کا احساس پیدا کیا ہے۔ اہل نظر کو دعوت دی ہے کہ وہ سمجھ کر دیکھ کر کہ کون مصلح بن سکتا ہے اور کون مفسد کسی شخص کی پیروی پر آمادہ ہوں اور اس کی آواز پر لبیک کہیں۔

جو حقیقی علمائے مذہب تھے، وہ ہمیشہ اصلاح عالم کے ذمہ دار رہے۔ درحقیقت وہ دوسری چیز جو فساد کی باعث ہے یعنی سلطنت کی طاقت اس سے جو فساد دنیا میں پیدا ہوتا ہے اس کا مقابلہ اگر ہوتا ہے تو علماء مذہب کی اصلاحی طاقت سے جب کہ وہ مذہب کی صحیح خدمت انجام دیتے رہیں۔

باوجودے کہ بہت ممکن ہے علماء کسی وقت میں بے دست و پا ہوں اور مادی طاقتوں سے وہ حکومت کا مقابلہ نہ کر سکتے ہوں لیکن اگر وہ خود فساد کے راستے پر نہیں جا رہے ہیں اور عالم کی بہی خواہی اور مذہبی روح کی صحیح زندگی ان میں موجود ہے تو وہ ان تمام خرابیوں کے باوجود جو سلطنت کی فولادی گرفت سے معاشرتی حیثیت سے پیدا ہو رہی ہیں اپنی خاموش ہدایتوں کے ساتھ قوم کی ذہنی و عقلی صلاحیتوں کی حفاظت کرتے رہیں گے جس کی بنا پر اگر وہ بجبر وظلم موجودہ حالت میں سلطنت کے اجراء کردہ قوانین کے تحت کچھ ایسے امور کو اختیار بھی کریں جو معیار اخلاق و مذہب سے گرے ہوئے ہیں تو بھی ان کا ضمیر اُن امور کے ناگوار ہونے کا احساس کرتا رہے گا۔ اور اس لئے ادھر سلطنت کی مٹھی ڈھیلی ہوئی اور اُدھر ان کے اصلی حسیات ومعتقدات پوری قوت کے ساتھ سیلابی شکل سے ابل پڑے اور حالات میں انقلاب ہو گیا یعنی وہ فساد صلاح سے بدل گیا۔

مجھے موقع نہیں ہے کہ میں تشریح کے ساتھ کسی چیز کو اب بیان کر سکوں مگر میں حوالہ دیتا ہوں کی سلطنت عباسیہ کے تشدّد سلاطین کے سو ڈیڑھ سو برس کے طولانی دور میں سلطنت کے انتہائی جبروت وسطوت کے باوجود مذہب جعفری دنیا میں کیونکر باقی رہ گیا۔

ملاحظہ کیجئے! دس بیس چالیس برس کی مدت نہیں صدیوں کا زمانہ، اس میں سلطنت کی پوری طاقت ایک مسلک کے فنا کرنے میں صرف ہو، لیکن پھر بھی وہ مذہب دنیا میں باقی رہے۔ اس کے تعلیمات مدون ہوں اور اس کے احکام ومسائل محفوظ رہیں۔

یہ صرف ان علمائے مذہب کی ان مدبرانہ اصلاحوں کا نتیجہ تھا جو بغیر دنیا میں فتنہ پردازی کئے ہوئے، بغیر فساد برپا کئے ہوئے، بغیر بغاوت کئے ہوئے، بغیر انقلاب پیدا کئے ہوئے، بغیر تخت سلطنت کو اُلٹے ہوئے، صرف خاموشی کے ساتھ اصلاح میں مصروف تھے۔ یعنی یہ تاریخ میں مصلحانہ حیثیت کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ سلطنت کے مقابلہ میں علماء کی اصلاحی جدوجہد کی کامیابی کا بہترین نمونہ ہے۔

ہاں بیشک شرط یہی ہے کہ علماء مخلص علماء ہوں اور اگر علماء خود ہوا کے رخ پر اُڑنے والے، خود سلطنت کی طاقت سے مرعوب ہوجانے والے، خود سلاطین وملوک کے دروازوں پر سجدے کرنے والے ہوئے تو وہ سلطنت کے مفسدانہ تدابیر کا مقابلہ کیا کریں گے!! خود ہی جس راستے پر

سلطنت جائے گی، اس راستے پر چلے جائیں گے۔

حقیقی علماء جو تھے وہ کبھی سلطنت سے مرعوب نہیں ہوئے۔ انھوں نے مفاد عامہ کا ہمیشہ خیال رکھا یعنی سلطنت سے بزور وقوت تصادم مفاد عامہ کے خلاف سمجھا مگر احکام مذہبی کی تلقین کو بھی ہمیشہ اپنا فریضہ خیال کیا۔

خود آپ کے صوبۂ اودھ کی تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء نے کس طرح اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں سلطنت کی طاقت کا اثر نہیں لیا۔ اب تشریح کا وقت نہیں ہے اور بہرحال مجھے بیان ختم کرنا ہے۔

جناب غفران مآبؒ کا بھنگ کے متعلق موعظہ کا واقعہ

مجھے تفصیل سے اسے بیان نہیں کرنا ہے، مشہور ہے۔ یہ کہہ دیا گیا تھا کہ مجلس وعظ میں بادشاہ آگئے ہیں، اس لئے آج بھنگ کے متعلق کچھ بیان نہ ہو۔ فرمایا آج ہی تو اس کا موقع ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصلحانہ آواز تھی، اس لئے اس کا اثر بھی ہوا۔ لیکن میں جو چیز پیش کرنا چاہتا ہوں حقیقۃً تاریخ اودھ میں یادگار کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولوی عبدالغنی کی تاریخ اودھ جلد ۵ میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ کسی شاہی محل کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور بادشاہ نے خوشی میں حکم دیا کہ سرکاری دفتروں میں محفل رقص وسرود قائم کی جائے۔ چونکہ دفاتر حکومت میں محکمہ مرافعہ وشریعت بھی تھا، یہ حکم وہاں بھی پہنچا۔ اس موقع پر قبلہ وکعبہ سلطان العلماء سید محمد صاحب رضوان مآب نے یہ یادگار خط تحریر فرمایا۔ ذرا الفاظ دیکھئے گا سلطنت کے مقابلہ میں ایک مصلح مذہب کس طرح سے اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔

''احکام شاہی بہ ارتکاب رقص ومناہی در محکمہ جات رسید الحال حکم واجب الانقیاد جناب اقدس الٰہی بہ اجتناب از رقص وغنا وملاہی ببارگاہ شاہی از جانب داعی بنا بردولت خواہی برسانید ودستخط فقیر را بملاحظۂ معلی بگذرانید ودر امر حق اندیشہ نمائید وَمَا عَلَى الرَّسُولِ اِلَّا الْبَلاَغُ وَالسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔

اس طرح سے حکام اور سلاطین سے مرعوب نہیں رہے بلکہ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ انھوں نے یہ احساس کیا کہ درحقیقت یہ وہ فرائض ہیں جن کے ذریعہ سے اصلاح ملک وملت ہوتی ہے۔

یہ غلط ہے کہ نظام سلطنت کے لئے علماء مضر ثابت ہوئے۔ تاریخ اس کی گواہ ہے کہ ایران میں شاہ سلطان حسین صفوی کی سلطنت کی رونق جو علامہ مجلسی کے عہد میں تھی، وہ ان کی وفات کے بعد باقی نہیں رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کے عدم تدبر نے خود سلطنت ہی کی بنیادوں کو منہدم کردیا۔

وہ چیزیں جن تک سلاطین کا دماغ نہیں پہنچتا تھا، وہ صرف مصلحین مذہب تھے جن کا دماغ ان نکات تک پہنچ جاتا تھا اور انھوں نے وہ اصلاح کی جس سے سلطنت کو فائدہ حاصل ہو اور دنیا نے اس کی گواہی دی کہ تدبر کا اقتضا یہی تھا۔ ملاحظہ کیجئے یہ رمز کہ حکومت برطانیہ کی سلطنت تجارت سے شروع ہوتی ہے۔ ہندوستان والے آج سمجھے یعنی جب

(بقیہ صفحہ............۷۶ پر)

آخر میں ایک بات کہنا ہے۔ فطری اتحاد کو ظاہری و باطنی معنوں میں قبول کر سیدھی عملی کوشش پوری طرح مثبت انداز میں شروع کر دینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں اس خدشہ کو راہ نہیں دینا چاہئے کہ وسیع تر اتحاد کے لئے انا بدوش انفرادیت کا نشہ آور اقتدار قربان کرنا ہوگا۔ ایسا نہیں ہے۔ پوری کائنات ایک فطری رشتہ میں پروئی ہوئی ہے۔ اس کا ایک ایک جزو اپنی انفرادیت کی پوری زندہ علامتوں کے ساتھ اور روشن توانائی سے نمایاں اور ممتاز ہے۔ اگر کائنات کو جوڑنے والا فطری رشتہ سمجھ میں آجائے، تو اتحاد کا بول بالا نہ ہو، تعجب!!

❁❁❁

بقیہ......علمائے مذہب کی مصلحانہ حیثیت

وہ پہلا قدم اُٹھا تھا، تو ہندوستان میں کوئی نہیں سمجھا تھا۔ اب جب کہ نتیجہ سامنے آگیا تب سمجھے کہ کیونکر تجارت سے سلطنت قائم ہوتی ہے۔ ایران میں ناصرالدین شاہ نے بھی اس کو نہیں سمجھا تھا جب کہ انھوں نے تمبا کو کا معاہدہ سلطنت برطانیہ کے ساتھ کیا۔ لیکن سرکار میرزائے شیرازی وہ تھے جنھوں نے یہ اندازہ کرلیا کہ یہ معاہدہ تمبا کو نہیں ہے بلکہ ملک ایران کا بیعنامہ ہے چنانچہ وہ سرکار میرزا ہی تھے جنھوں نے ایسے پر جبروت بادشاہ کے مقابلہ میں یہ فرمان نافذ کر دیا تھا کہ تمبا کو پینا حرام ہے۔

اس حکم کا وہ اثر تھا کہ ایران میں انقلاب ہوگیا دوکانیں بند ہوگئیں، قلیان توڑ ڈالے گئے۔ تمبا کو یک قلم متروک ہوئی جس کا اثر تھا یہ ناصرالدین شاہ نے مجبور ہو کر ٹھیکہ منسوخ کیا۔ وہ چند الفاظ تھے جن کا یہ نتیجہ تھا ورنہ آج ایران اسی طرح غلام ہوتا جس طرح ہندوستان غلام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علمائے مذہب اگر حقیقی معنوں میں عالم مذہب ہیں تو وہ عالم کی ایسی اصلاح کر سکتے ہیں کہ دنیا میں کوئی مصلح ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہرگز عالم وہ نہیں ہے جو دنیا میں فساد پیدا کرے، ہنگامہ برپا کرے۔ اسلام یہ تعلیم دینے کے لئے نہیں آیا ہے کہ خواہ مخواہ جنگ وجدل برپا کرو بلکہ وہ خاموشی کے ساتھ اصلاحی جدوجہد کا حامی ہے قُوْلُوْا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا کی وہ ایک آواز تھی جو خاموش فضا میں گونجتی تھی کوئی جواب دینے والا نہ تھا، لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی پرامن خاموش صدا نے ایک وقت میں دنیا کو اپنی صدائے بازگشت سے معمور کر دیا۔ تلواروں کی جھنکاریں باقی نہیں ہیں لیکن وہ لا الٰہ الا اللہ کی آواز دنیا کے ہر ہر گوشہ میں ہر مسلمان کے کان میں پانچ وقت اس اعلان کے ساتھ آتی ہے جس سے شان توحید کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

اسلام کو قائم کرنے والی وہی چیز تھی جس کا اثر پائدار رہ گیا لیکن یہ مسلمانوں کی غلط فہمی ہے کہ وہ اسلام کی روح جنگ وجدل ہی کو سمجھ لئے ہیں، اس لئے ہر موقع بے موقع بھڑ کر جان دے دینے والے کو ''شہید'' اور جان لینے والے کو ''غازی'' کا خطاب دیتے ہیں۔ یہ ہرگز اسلام کی تعلیم نہیں ہے۔